Al-Mīthāq *(Research Journal of Islamic Theology)*
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 04, **Issue** 02, April - June 2025, **PP**: 177-191
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

برصغیر میں نقد تصوف کی روایت: تحقیقی مطالعہ

A Research Study of the Tradition of Critical Aspect of Sufism in Indian Sub-Continent

Author	Affiliation
1. Dr. Muhammad Akram akramfqchfd@gmail.com	*Assistant Professor, Government College of Technology, Pindi Bhattian, Hafizabad.*
2. Muhammad Saad saadrasheed101@gmail.com	*Visiting Lecturer, Government College University Faisalaad, Hafizabad Campus.*

How to Cite: Dr. Muhammad Akram and Muhammad Saad. 2025: "A Research Study of the Tradition of Critical Aspect of Sufism in Indian Sub-Continent". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 4 (02): 177-191.

Article History:

Received:	Accepted:	Published:
23-05-2025	25-06-2025	30-06-2025

Copyright: **©The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

برصغیر میں نقد تصوف کی روایت: تحقیقی مطالعہ

A Research Study of the Tradition of Critical Aspect of Sufism in Indian Sub-Continent

1. Dr. Muhammad Akram
Assistant Professor, Government College of Technology, Pindi Bhattian, Hafizabad.
akramfqchfd@gmail.com

2. Muhammad Saad
Visiting Lecturer, Government College University Faisalabad, Hafizabad Campus.
saadrasheed101@gmail.com

Abstract

Islam has historically emphasized ʿaql (rationality), fikr (critical reflection), and ʿilm (learning). The roots of critical inquiry in Islamic tradition, established during the compilation of the Qurʾān and ḥadīth, later shaped the discipline of naqd (criticism) and tajdīd (renewal). Within this intellectual framework, the tradition of critically evaluating taṣawwuf (Sufism) emerged to safeguard it from un-Islamic elements. In the Indian Subcontinent, this critical dimension of Sufism was carried forward by prominent scholars including ʿAbd al-Ḥaqq al-Muḥaddith al-Dihlawī, Shāh Walī Allāh al-Dihlawī, Sayyid Naẓīr Ḥusain al-Dihlawī, Nawāb Ṣiddīq Ḥasan Khān al-Bhopālī, Mawlānā Sanāʾ Allāh al-ʿAmritsarī, Qāḍī Sanāʾ Allāh Pānīpatī, Mawlānā Ashraf ʿAlī al-Thanvī, Abū al-Kalām Āzād, Muḥammad Iqbāl, and Sayyid Saʿīd Aḥmad Shāh. Their critiques addressed doctrinal, ethical, and practical dimensions of Sufi thought, ensuring its harmony with Islamic principles while rejecting innovations. This study examines the critical legacy of these scholars, highlighting how their intellectual engagement preserved the authenticity of Sufism in the Subcontinent and reinforced its integration with the broader Islamic scholarly tradition.

Keywords: *Sufism, Taṣawwuf, Rationality, Sub-Continent, Mysticism, History.*

تمہید

اسلام تدبر، تعقل اور تعلم کا علمبر دار دین ہے۔ تدوین قرآن کے وقت عہد صدیقی میں نقد روایت سے اس فن کا آغاز ہوا اور تدوین حدیث کے وقت بھی نقد روایت کے اصول کو بر قرار رکھا گیا۔ بعد ازاں علم جرح و تعدیل کے عنوان سے اس فن کی تدوین ہوئی۔ یوں تنقید و تحقیق اسلام کا متعارف کردہ فن ہے۔ اسی طرح تصوف پر نقد کی تاریخی روایت ہے اور جب بھی تصوف کو غیر اسلامی عناصر سے مکدر کرنے کی کوشش کی گئی تو اہل حق صوفیاء نے خرافات پر نقد کرتے ہوئے تصوف کو بدعات سے محفوظ کیا۔ تصوف کے اوائل دور میں ابو نصر سراج الطوسی، عبد الکریم قشیری اور شہاب الدین عمر سہروردی نے مدعیان تصوف کی رسومات پر نقد کر کے فریضہ منصبی ادا کیا۔ بعد ازاں ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور ابن جوزی نے بھی اعمال و افعال اور اشغال صوفیاء کو اپنے نقد کا موضوع بنایا۔ یوں ہی برصغیر میں نقد تصوف کی روایت موجود رہی۔ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، سید نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، سید احمد حسن دہلوی، مولانا ثناء اللہ امر تسری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا اشرف علی تھانوی، ابو الکلام محی الدین احمد آزاد، ڈاکٹر محمد اقبال اور سید سعید احمد شاہ نے نقد تصوف کو اپنا موضوع بنایا۔ زیرِ نظر مقالہ میں مذکورہ شخصیات کے نقد تصوف کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔ اس حقیقت کو عیاں کیا جائے گا کہ مذکورہ شخصیات نے تصوف سے متعلق کن امور کو اپنے نقد کا موضوع بنایا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ 958 ہجری بمطابق جنوری 1551ء میں سلیم شاہ سوری کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ شیخ کے آباء میں سے ایک شخص آغا محمد ترک جو اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتویں ہجری میں مغلوں کی بربریت سے تنگ آکر عازم ہند ہوئے۔ شیخ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد شیخ سیف الدین کی آغوش میں ہوئی۔ وہ صوفی بزرگ تھے اٹھارہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ پر عبور حاصل کر چکے تھے۔ 1581ء میں مکہ مکرمہ پہنچے جملہ کتب صحاح کے سماع کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی تکمیل کی۔ زیر نظر سطور میں موصوف کے نقد تصوف کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ طریقت کو شریعت پر فوقیت نہیں دیتے، بلکہ وہ جاہل صوفیاء جو طریقت کو شریعت پر فوقیت دیتے ہیں۔ ان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> راہ طریقت میں جو مشکل پیش آئے اور اس کے حکم کی کیفیت عقل سے معلوم نہ ہو تو شریعت سے اس کا حکم معلوم کرو۔ شریعت میں جو عقیدہ عیاں ہے راہ طریقت وحقیقت میں اور واضح ہے اور اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے یعنی جو امر شریعت میں خوب ہے وہ طریقت میں محبوب ہے۔ اگر شریعت اسے پسند نہیں کرتی اور وہ برا ہے تو یہاں (طریقت میں) مردود ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے بغیر وہ کسی صوفی کو تسلیم نہیں کرتے۔ بے عمل صوفی پر نقد کرتے ہوئے اپنے دعویٰ میں جھوٹا قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جو شخص معشوق کا حکم سر آنکھوں پر نہیں لیتا وہ خود رہنمائی لیتا ہے یا اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور وصل محبوب کی راہ بھول جاتا ہے۔ اس کے بعد بھی حق تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہے اور ذات مطلق کے عشق کی باتیں کرتا ہے تو وہ نقال ہے، یہ اس کی نقالی ہے اس کی نقالی بے ہودہ اور اس کا دعویٰ سفید جھوٹ ہے۔[2]

شاہ عبدالحقؒ ظاہر وباطن کی کسی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتے جس میں شریعت وطریقت میں تعارض واقع ہو جائے۔ مدعیان تصوف کی اس تقسیم پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اور یہ جو مشہور ہے کہ شرع کا تعلق ظاہر سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان شرعی احکام کا اجراء جن کا تعلق براہ راست مخلوق سے ہے جیسے تعزیر، قصاص، تذلیل واعزاز وغیرہ وہ بہ ظاہر معتبر ہیں نہ کہ شرع کے روسے صرف ظاہر پر منحصر ہیں۔[3]

شریعت وطریقت کے فرق کے حوالے سے دونوں میں نسبت عموم وخصوص اور نسبت مساوات قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ایک تو مساوات کی نسبت ہے دوسرے عموم وخصوص مطلق کی نسبت سے بھی فرق ہے یعنی ایک طرح سے شریعت عام اور طریقت خاص یعنی طریقت شریعت میں داخل ہے اور شریعت شامل طریقت ہے، نسبت مساوات اس لیے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: شریعت میرے اقوال ہیں۔ طریقت میرے افعال اور حقیقت میرے احوال۔ آنحضرت ﷺ کے اقوال اور افعال مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ دو جدا چیزیں ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس معنی میں فرق کرتے ہیں کیوں کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا ہے اس پر خود عمل بھی کیا ہے۔[4]

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ باطنی معنی کو شریعت کے ظاہری معنی کے تابع کرنے کے قائل ہیں اور بعض صوفیاء کے خلاف شرع باطنی معنی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ کوئی باطنی معنی ظاہر آیات واحادیث کے مخالف نہیں ہوسکتا اور نہ صحابہ کرامؓ پر جھوٹ کا گمان ہو گا نعوذ باللہ من ذلک، اگر کوئی مدعی ولایت کوئی بات خلاف شرع بیان کرے یا اسے ظاہر کرے اور وہ جملہ اسرار میں شمار کرے تو ہر گز اس کو قبول نہ کرنا چاہیے اور بے شک وشبہ رد کر دینا چاہیے کہ نہ تو وہ پروردگار عالم کی جانب سے اسرار ہیں اور نہ ہی سید الاخبار کی حدیث ہے، بلکہ وہ پوری کی پوری بات محض کذب و افتراء ہے جو گمراہ کن ہے وہ شیطانی وسوسہ ہے اور نفس وخواہش کی اتباع۔ اس لیے کہ ہر باطن جو ظاہر معنی کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔[5]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

بارہویں صدی کی علمی و عملی اور فکری وروحانی شخصیت شاہ ولی اللہؒ کی ہے جنہوں نے ہمہ گیر جہات میں فکری کارنامے سرانجام دیئے۔ شاہ ولی اللہؒ چار شوال چہار شنبہ بوقت طلوع شمس 1114ء کو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے چار سال بعد مغلوں کی حکومت کا زوال شروع ہوا۔ شاہ صاحب کے عہد شعور کو مسلمانوں کا بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کا بالخصوص زوال کا دور کہا جاتا ہے آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ اور والدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ موصوف نے صوفی ہونے کے باوجود تزکیہ تصوف کے لیے امور تصوف پر نقد کیا ہے۔ موصوف کے نقد کا زیر نظر جائزہ لیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ قبر پرستی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے بددعاء کرنے کا سبب حق میں یہود و نصاریٰ کے یہ تھا حالانکہ سجدہ قبر پر یا طرف قبر ایک قسم کی تعظیم ہے صاحب قبر کے واسطے اور یہ صریح شرک ہے اور اگر شاید ان لوگوں کا یہ گمان ہو کہ بزرگوں کی طرف منہ کرنا اور حالت نماز میں ان کے نزدیک عبادت ہے ایک عبادت الٰہی دوسرے عظمت بزرگان، پس یہ شرک خفی ہے اور اسی قدر عبادت آغاز عبادت اصنام کے وقت کہ اوائل زمانہ نوح علیہ السلام کا تھا۔[6]

قبروں پر چراغ روشن کرنے اور نذر قبور پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسی طرح واجب ہے مٹانا قندیل وچراغ و شمع کہ قبر پر روشن کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے کرنے والے کو رسولِ خدا نے لعنت فرمائی ہے وہ فعل گناہ کبیرہ ہے اس واسطے موم بتی وچراغ و تیل وغیرہ نذر کی جائے کہ قبروں کے واسطے موم بتی و تیل وغیرہ نذر کی جائے۔ کیوں کہ یہ نذر معصیت کی نذر ہے ایسی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ایسی نذر میں کفارہ دینا ضروری ہوتا ہے مثل کفارہ قسم کے اور بھی جائز نہیں ہے کہ وقف کیا جائے۔ قبر کے واسطے موم بتی وروغن و شمع وغیرہ کیوں کہ یہ وقف درست نہیں۔[7]

تعظیم اشیاء پر نقد کرتے ہوئے اسے شرک قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں اگر دستی لکڑی اور چوبی کھڑاوں وٹوپی وجبہ وپگڑی و تسبیح وغیرہ مشائخ سے مرید کو پہنچے یا کسی کے ہاتھ میں آئے اس کو بلند مقام پر رکھتے ہیں اور اس جگہ کو زیارت گاہ مقرر کرتے ہیں اور نام اس جگہ کا درگاہ شریف رکھتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ مجھے فلاں بزرگ کے کمبل کے عطیہ سے ایسا فیض پہنچا کہ موجودہ زمانہ کے لوگوں سے اس

قدر فیض حاصل نہیں ہو سکتا اور بعض کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کا جبہ جس وقت پہنتا ہوں تو ایک عجیب حالت واردات مجھ پر طاری ہوتی ہے کہ وہ حالت دوسرے وقت نہیں پائی جاتی۔ عطر اور خوشبوؤں سے معطر کر کے الگ تھلک رکھتے ہیں۔ اور تمام سال میں ایک دن زیارت کے واسطے مقرر کرتے ہیں اور اذن عام دیتے ہیں۔ ان تبرکات کی عظمت و ادب کو خوشنودی ارواح بزرگان خیال کر کے محض یکسوئی کے ساتھ بامید فیضان توجہ نسبت بزرگان کے بیٹھتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تعظیم اشیاء بزرگان سب کفر و شرک نہیں ہے لیکن بتدریج یہ اپنی حد سے تجاوز کر کے بیماری نفاق پیدا کر دیتا ہے۔ [8]

قبروں پر حاجت روائی اور فریاد رسی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ سے حاجت روائی چاہنی اور ان سے دعاء کرنا اور ان کی قبر پر فریاد رسی کو جانا ان کی عبادت کرنی ہے، اگرچہ قبر پرست لوگ اپنی دعاء کو عبادت نہ جانیں اور کہیں کہ ہم قبر پرست نہیں ہیں، بلکہ قبر کی زیارت کرنے والے ہیں، پس ان کا عذر بے اصل ہے۔ راز و سبب منع کرنے کا آنحضرت ﷺ کے معلوم ہوا کہ پہلی بار انہی خرابیوں کو مد نظر رکھ کر مطلقاً زیارت قبر کو منع فرمایا تھا۔ [9]

قبر پرستی اور پیر پرستی پر نقد کرتے ہوئے عقائد کو صحابہ کے مطابق کرنے کی تلقین کرتے شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کا اہم حصہ تھی۔ آپ کے مطابق عقائد دین میں ارکان کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروریات ایمان میں سے ہے، علماء محققین ؒ فرماتے ہیں کہ مؤمنین خاص و عام اتحاد عقیدہ کی رو سے برابر ہیں۔ ہاں اگر فرق ہے تو اعمال میں نہ عقائد میں، گور پرستی و پیر پرستی کا مرض خلاف وضد بزرگان دین کے عقیدہ کے ہے۔ بذریعہ آیات الشفاء کے کہ محکمات کتاب اللہ ہے علاج کریں اور خواب و خیال عقائد باطلہ کو کہ ملمع سازی شیطان رجیم ہے پرہیز کرتے رہیں کیوں کہ بدپرہیز اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ [10]

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی 1730ء تا 1731 کے درمیانی عرصہ میں پانی پت (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اپنے شہر کے اساتذہ سے مروّجہ علوم اور دینی تعلیم حاصل کی اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ پر مہارت حاصل کی۔ پہلے شیخ محمد عابد سے پھر ان کے وصال کے بعد مرزا مظہر جان جاناں کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ تفسیر مظہری ہے۔ سات ضخیم جلدوں میں مرتب ہے، جن میں فکر تصوف کے ذریعے لوگوں کو تزکیہ نفس کی طرف راغب کیا گیا ہے۔ اس فکر تصوف کے ذریعے انہوں نے عصری شخصیات میں رقابت کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے کردار ادا کیا۔ ہمیشہ اپنی ہم عصر شخصیات کی عزت افزائی کی، عاجزی و انکساری کے ساتھ ان کے آگے اپنے علم و فضل کے پر بچھا دیئے۔ 2 اگست 1810ء میں موصوف کی وفات ہوئی۔ آپ معتدل صوفی عالم دین ہیں۔ ان کی فکر تصوف کو محمد اسحاق بھٹی نے ان کے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا:

ولایت و تصوف اللہ کی وہ نعمت ہے جو انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جو اعتقادات صحیحہ رکھتے ہوں۔ جن کی زندگی قرآن و حدیث و اجماع اہل سنت کے مطابق ہو۔ جن کی پہچان صالح اعمال ہوں۔ جو ادائے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات کا پورا اہتمام کرتے ہوں اور ترک محرمات و مکروہات و مستحبات و بدعات جن کا شیوہ ہو۔ [11]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نزدیک کشف و کرامات معیار ولایت نہیں بلکہ معیار ولایت تقویٰ ہے۔ وہ کشف و کرامات کو معیار تقویٰ سمجھنے والوں پر نقد کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

تمام لوگ کشف و کرامات کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے بہت سے اولیاء کشف و کرامات سے خالی ہوتے ہیں اور کبھی بطور استدراج دوسرے لوگوں میں اولیاء کے علاوہ بھی خرق عادات اور انکشافات غیبی پایا جاتا ہے (اس لیے کشف و کرامات معیار ولایت نہیں ہے) اگر بعض اولیاء سے اتفاقاً کشف و کرامات کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ کشف و کرامت معیار ولایت ہے۔[12]

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ عرس کے قائل ہیں لیکن عرس کے نام پر ہونے والے میلوں پر نقد کرتے ہیں۔ اس کی وجہ میلوں کے باعث خرافات ہیں۔ موصوف قبروں پر سجدہ ریزی اور میلوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اولیاء کرام اور شہداء کے مزارات پر سجدے کرنا طواف کرنا، چراغ روشن کرنا، ان پر مسجدیں قائم کرنا، عید کی طرح مزارات پر عرس کے نام سے میلے لگانا جس طرح آج کل جاہل کرتے ہیں جائز نہیں۔[13]

عصمت انبیاء کا خاصا ہے، اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حفاظت میں ان کے اعمال کی بناء پر رکھا ہوتا ہے اور وہ انہیں گناہوں پر اصرار کرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ البتہ کبھی کبھار ان سے گناہوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اولیاء کے بارے عقیدہ عصمت پر نقد کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہو جائے اور وہ اس کے گناہوں کا اقرار بھی کر رہا ہو۔ عصمت تو انبیاء کے ساتھ خاص ہے پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ۔ مرید پر لازم ہے کہ اگر اس کے شیخ سے کوئی اس قسم کی حرکت صادر ہو رہی ہو تو خود اس کا مرتکب نہ ہو۔[14]

ولایت نبوت کے تابع مرتبہ ہے۔ افضلیت ولایت کے عقیدے پر نقد کرتے ہوئے ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

بعض اہل تصوف نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اس قول کی تشریح بعض اہل باطن نے اس طرح کی ہے کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے کیوں کہ ولایت کا تقاضا ہے استغراق اور فنافی اللہ اور ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر اللہ ہی کی طرف رخ کرنا، تحقیق وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے ولایت کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی بہر حال اس کا مرتبہ نبوت سے نچلا ہی ہے کیوں کہ ولایت نام ہے تجلیات صفاتی اور نبوت عکس تجلیات ذاتیہ کا۔[15]

یوں وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس نظریے پر اتفاق کرتے ہیں کہ ولایت سے نبوت افضل ہے، یہ ان بعض صوفیاء پر نقد ہے جو کہ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں اور جو یہ نظریہ رکھتے ہیں وہ بھی غیر نبی کی ولایت کو افضل نہیں سمجھتے۔ بلکہ نبی کی نبوت سے نبی کی ولایت کو افضل سمجھتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ اس وقت رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور قاضی ثناء اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی اور دیگر اس فکر کے ہم نوالوگوں کا نظریہ ہے کہ منصب نبوت ہی افضل ہے کہ رخ مخلوق کی طرف ہو یا خالق کی طرف، ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بذات خود صوفی ہیں، لیکن وہ طریقت کو شریعت کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ یوں ہی راسخ فی العلم علماء کو صوفیاء پر ترجیح دیتے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امر تسری 12 جون 1868ء میں امر تسر میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام رسول قاسمی، مولانا احمد اللہ امر تسری، مولانا احمد حسن کانپوری، حافظ عبد المنان وزیر آبادی اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ متعدد

کتب تصانیف کیں۔ تفسیر ثنائی (اردو) اور تفسیر القرآن بکلام الرحمن (عربی) اور رد قادیانیت پر تحقیقی کتب مرتب کیں۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری مرید کے پیروں کے متعلق اعتقاد پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہی حال آج کل کے مسلمانوں کا ہے عقائد میں ان کے وہ خرابیاں ہیں کہ پناہ اللہ، کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب نے بارہ برس کے بعد ڈوبے ہوئے بیڑے کو مریدوں کی خاطر نکالا، کوئی کہتا ہے پیر صاحب نے ایک مرید کے زندہ کرنے کو کئی ہزار روحیں عزرائیل سے چھڑا دیں، کوئی کہتا ہے کہ مجلس مولود میں آنحضرت ﷺ بذات خود تشریف لاتے ہیں۔ غرض عجیب عجیب قسم کے خرافات اپنے ذہنوں میں ڈال رکھے ہیں۔ یعنی وہی عقائد باطلہ جن کی تکذیب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہزارہا پیغمبر بھیجے تھے ان نام کے مسلمانوں نے اختیار کر لیے ہیں۔[16]

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ پیر اور مرید کے قیامت والے دن تعلق پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس وقت ان کے جھوٹے پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزار ہو جاویں گے اور سامنے سے عذاب دیکھیں گے اور ان کے سب علاقے ٹوٹ جائیں گے اور پیروکار مرید آکر بول اٹھیں گے کہ اگر ہم دنیا میں ایک مرتبہ پھر جاویں تو ضرور ہی ہم بھی ایسے دغابازوں سے ایسے ہی بیزار ہوں گے جیسے کہ یہ ہم سے ہوئے۔[17]

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ غیر اللہ کے نام کی چیزوں پر نقد ثابت ہے۔ ان کے مطابق جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کا نام بطور تقرب پکارا جائے یا دل میں غیر کا خیال رکھا جائے کہ وہ اس کو قبول کر کے مراد پوری کر دے یا کرا دے تو ایسی چیزوں کو خواہ جانور ہوں یا دیگر قسم کی اشیاء خوردنی ان کو مت کھاؤ اور سمجھ رکھو کہ یہ کام یعنی اس قسم کی چیزوں کو کھانا یقیناً ناپاک ہے۔[18]

سید محمد نذیر حسین دہلویؒ

سید نذیر حسین کی ولادت 1805ء میں مونگیر، بہار، بھارت میں خاندان اشراف میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ اور رسول اللہ ﷺ سے جاملتا ہے۔ تعلیم کا آغاز صادق نگر بہار سے کیا۔ آپ نے 16 برس کی عمر میں سورج گڑھا کے فضلاء سے پڑھا پھر الہ آباد چلے گئے جہاں مختلف علماء سے تحصیلِ علم کیا۔ مشہور علماء سے کسب فیض کیا جن میں مولانا عبد الخالق دہلوی، مولانا شیر محمد قندھاروی، مولانا جلال الدین ہروی اور مولانا کرامت علی صاحب سیرت احمدیہ قابل ذکر ہیں۔ انہیں شیخ الکل کا لقب حاصل ہے۔ موصوف اور نواب صدیق حسن خان تحریک اہل حدیث کے بانیان میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی وفات 13 اکتوبر 1902ء چاندنی چوک دہلی میں ہوئی۔ موصوف کے نقد تصوف کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ سید محمد نذیر حسین دہلوی تصور شیخ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تصور شیخ کے لیے نہ تو کتاب و سنت سے کوئی دلیل ہے نہ صحابہ و تبع تابعین کے تعامل سے، یہ آداب شریعت سے خارج ہے، بدعت ہے۔ ذاکر کو دوسرے تمام تصورات سے خالی الذہن ہو جانا چاہئے تاکہ کوئی چیز ذکر میں مخل نہ ہو اور تصور شیخ ذکر الٰہی میں مخل ہے لہٰذا باطل ہے۔[19]

سید محمد نذیر حسین دہلویؒ قبر پر بوسہ اور سجدہ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قبر کو بوسہ دینا، سجدہ کرنا، اس پر رخسار رکھنا حرام و ممنوع ہے۔ والدین کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں وہ بھی جائز نہیں ہے اور جائز نہ ہونے کا مطلب کم از کم صغیرہ گناہ ہے۔[20]

اہل قبور کے متعلق تصور وسیلہ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ کسی قبر پر جا کر یہ التجا کرنا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ علاوہ بریں یہ التجا اس بنا پر ہے کہ زندوں کی التجا مردے سنتے ہیں اور قبر میں ان کی التجا پر دعاء کرتے ہیں اور ان کی دعاء

قبول ہوتی ہے۔ حالاں کہ یہ باتیں کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں۔ پس یہ التجا کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔[21] اسی طرح سید محمد نذیر حسین دہلویؒ ندائے شیخ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وہ جو جاہل لوگ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاللہ اور یا شیخ شمس الدین ترک پانی پتی شیئاللہ کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور اگر شیخ کی روح کو متصرف فی الامور خیال کرے تو یہ دوسرا کفر ہے، بحر الرائق میں ہے: جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ میت اللہ کے سوا امور میں تصرف کر سکتی ہے وہ کافر ہے۔[22]

سید محمد نذیر حسین دہلویؒ سے سماع موتیٰ پر نقد بھی ثابت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کو خواہ نبی ہو یا ولی مشکل کے وقت پکارنا اور ان سے مدد چاہنا اور ان سے امید نفع اور ضرر رکھنا شرک ہے۔[23]

نواب صدیق حسن بھوپالیؒ

نواب صدیق حسن سادات قنوج سے تعلق رکھنے والے حسنی و حسینی سید ہیں۔ 1823ء کو اپنے ننھیال بانس بریلی میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم والدہ سے اور چچا کی رہنمائی میں والد کے کتب خانہ سے حاصل کی۔ فرخ آباد کانپور اور بریلی میں علماء سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں دہلی گئے جہاں صدر الافاضل مفتی محمد صدر الدین سے تفسیر وفقہ کے علاوہ علوم شرعیہ حاصل کیے۔ ان سے سند فراغت کے بعد شیخ زین العارفین اور شیخ محمد حسین سے فقہ الحدیث اور صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ انہوں نے علمی اور اصلاحی و تحقیقی کم و بیش 200 سے زائد کتب مرتب کیں۔ 26 مئی 1890ء میں ان کی وفات بھوپال میں ہوئی۔ نواب صدیق حسن بھوپالیؒ صوفیاء کے تصور عبادت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> صوفیاء کا کہنا ہے کہ عبادت حصول ثواب اور دفع عقاب کے لیے نہیں ہے بلکہ عبادت کو محض اس کی ذات پاک کے لیے کیا جائے۔ جنت جہنم سے غرض نہ رکھے یہ درست بات نہ ہے۔ دیکھئے اعرابی کی حدیث میں ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی کہ مجھے آپ ﷺ کی اور معاذ کی طرح گنگنانا نہیں آتا۔ میں تو اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔[24]

تصور ولایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جو شخص غیر نبی ہے تو اللہ اس کے ہاتھ پر خرق عادت واقعات رونما کرے تو یہ اس کی ولایت پر کچھ دلیل نہ ہے جس طرح کہ بعض صوفیاء وروافض نے کہا ہے۔ پھر فرمایا: کبھی خرق عادت واقعات کا فروفاجر کے ہاتھ سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے ابن صیاد نے کہا تھا (ھوالدخ) حالانکہ نبی ﷺ نے اس سے یہ آیت پوشیدہ رکھی۔[25]

تصور نسبت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پچھلی آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے اسلاف جو کہ انبیاء وصلحاء تھے اور تم اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہو۔ تو یہ نسبت تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ جب تک کہ تم خود نیک عمل نہ کرو۔ ان کے عمل ان کے ساتھ ہوں گے اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ ہوں گے۔[26]

غیر اللہ کی نذر ونیاز کے بارے میں بھی ان کی رائے یہی ہے کہ یہ کسی صورت جائز نہیں۔ ان کے مطابق اگر کوئی غیر اللہ کی نذر ونیاز کو ذبح کے وقت اللہ کا نام لے تو اس کو لاعلم مسلمان سمجھ کر کھا نہ جائیں بلکہ بتا دیا کہ اعتبار نیت کا ہے۔ نذر والے کی نیت غیر اللہ کے لیے ہوئی تو بوقت ذبح اللہ کا نام لینے سے وہ حلال نہ ہوگا۔ بلکہ یہ آیت بڑی عام ہے۔ عام ذبح اور نذر ونیاز سب کو شامل ہے اس لیے کہ

عربی میں لفظ ما بہت عام چیز کو تعبیر کے لیے ہوتا ہے۔[27] نذر و نیاز کے نام پر ذبح پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں اسی طرح جو اولیاء سے عقیدت رکھنے والے ان کے لیے ذبح کرتے ہیں تو یہ بھی غیر اللہ کے نام پر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت ان اولیاء کا نام نہ بھی لیا جائے۔ اس لیے اس میں اور طواغیت کے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں۔[28]

اسی طرح صوفیاء کے ہاں رائج تصورِ شفاعت پر بھی تنقید کرتے ہیں:

جو نام نہاد مسلمان در حقیقت قبر پرست، پیر پرست، مجتہد پرست، قیاس پرست اور رائے فاسد میں گرفتار ہیں۔ اولیاء اللہ کو زندگی میں اور موت کے بعد متصرف سمجھتے ہیں وہ مشرک ہیں۔ انہیں گھمنڈ یہ ہے کہ ہمیں ہمارے پیر و مرشد سفارش کرکے بخشوا لیں گے۔ یہ محض ان کی جہالت ہے۔[29]

موصوف ترکِ دنیا کے حوالے سے بھی نقد کرتے ہیں۔ رہبانیت کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ رہبانیت یہ رہبان درویش قسم کے لوگوں کی طرف منسوب ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے عبادت میں غلو کیا اور خود پر کھانے پینے اور نکاح شادی سے باز رہنے کی صورت میں مشقتیں ڈال لیں۔ غاروں اور گرجوں میں ہی اٹک گئے کیوں کہ ان کے بادشاہوں نے دین کو تبدیل کر دیا تھا۔ پھر ان میں بہت تھوڑے لوگوں نے ایسا کیا تھا جو رہ گئے تو انہوں نے رہبانیت اختیار کر لی اور لوگوں سے علیحدہ ہو گئے۔[30]

مولانا سید احمد حسن دہلویؒ

مولانا سید احمد حسن دہلویؒ مفسر و محدث تھے۔ 1850ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ سید محمد نذیر حسین کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس اور فتویٰ نویسی آپ کے سپرد ہوئی۔ حیدر آباد دکن میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر تعینات بھی رہے۔ آپ کے علمی و تحقیقی کام میں تفسیر احسن التفاسیر قابل ذکر ہے۔ 1338ھ، 1920ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ سید احمد حسن دہلوی غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذبح کے وقت لوگوں کا بسم اللہ اللہ اکبر کہنا برائے نام ہے۔ نیت اس شخص کی تعظیم ذبح کے وقت بھی بسی ہوئی ہوتی ہے۔ جس کے نام کا انہوں نے وہ جانور ذبح سے پہلے ٹھہرایا تھا۔ اس لیے اس ذبح کو ذبح شرعی نہیں کہہ سکتے۔[31]

صوفیاء کے تصور باطن پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شریعت میں کہیں ایسے اولیاء اللہ کا ذکر نہیں ہے جن کو شریعت کا حکم معاف ہو یا ظاہر میں وہ شریعت کے پابند ہوں اور باطنی احکام الہامی میں ان کو شریعت کی پابندی ضروری نہ ہو یا ولایت کو وہ نبوت سے بڑھ کر گنتے ہوں یا کسی کو خاتم الاولیاء کہتے ہوں یا احکام شریعت کے وہ ایسے معنی بتلاتے ہوں جن کی روایت صاحب شریعت سے صحیح مروّجہ کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس قسم کی جس قدر باتیں فتوحات و فصوص الحکم وغیرہ میں لکھی ہیں وہ سب شریعت کے مخالف ہیں۔[32]

مدعیان تصوف کے تصور ولایت و کرامت پر تنقید بھی موصوف کی تحریرات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کے مطابق جس شخص میں کوئی بات خلاف عادت ہو مثلاً بے موسم چیز کا پیدا کر دینا یا آئندہ کی کوئی خبر بتلا دینا یا تھوڑی دیر میں دنوں کا راستہ طے کر لینا۔ تو وہ شخص ولی ہے اور وہ خلاف عادت بات کرامت ہے لیکن علماء اہل سنت کا مذہب ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص میں خلاف عادت کوئی بات نظر پڑی، اگر وہ شخص متقی اور شریعت کا پابند ہے تو وہ خلاف عادت بات کرامت ہے اور وہ شخص ولی ہے ورنہ وہ

خلاف عادت بات استدراج ہے اور وہ شخص ولی نہیں ہے۔ [33]

مولانا اشرف علی تھانویؒ

مولانا اشرف علی تھانویؒ 19 اگست 1863ء تھانہ بھون، شاملی ضلع اُتر پردیش ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے علوم شرعی و عصری کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے علوم الٰہیات، علوم القرآن، علم فقہ اور تصوف میں درک حاصل کیا۔ آپ دیوبندی مکتبہ فکر کے جید عالم، صوفی، مترجم و مفسر قرآن اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں جنہیں حکیم الامت کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ علم شریعہ کی فراغت کے بعد انہوں نے کئی برس کانپور میں تدریسی خدمات انجام دیں اور بعد میں اپنے شیخ کی خانقاہ امدادیہ کے پاس اپنی خانقاہ قائم کی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ صوفی عالم دین ہیں لیکن کسی ایسے تصوف کے ہرگز قائل نہیں جو کہ قرآن و سنت کے منافی ہو۔ جاہل صوفیاء کے عقیدہ کو اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ عبادت اور تحیت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس حدیث مبارکہ میں اصلاح اس فعل کی جو اس وقت جہلاء صوفیاء میں شائع ہے کہ بزرگوں کی قبور کو سجدہ کرتے ہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو کہ شرک و کفر ہے خواہ وہ سجدہ تحیت ہو کہ سخت کبیرہ قریب کفر ہے۔ [34]

موصوف نے آپ ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں جاہل صوفیاء پر نقد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی کہ وہ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ تصوف کے جمیع اعمال اور رسومات کو میزان شریعت پر پرکھنے کے قائل ہیں یوں وہ کشف و کرامات کو بھی شریعت کی تائید سے تسلیم کرنے کے قائل ہیں۔ آپ نے کشف رحمانی اور کشف شیطانی کی تقسیم کے اعتبار سے کشف میں فرق کیا ہے کشف پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل کو بھی کشف ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کشف مقبول و محمود نہیں۔ چنانچہ عرش ابلیس کے انکشاف کو معرض مذمت میں فرمایا گیا۔ پس جو لوگ کشف کو علامت ولایت کی سمجھتے ہیں یا ہر کشف پر اعتماد کرتے ہیں ان کو یہ دیکھ کر دونوں امر کی اصلاح واجب ہے۔ [35]

موصوف کسی بھی ایسے علم خفی کی تردید کرتے ہیں جو احکامات الٰہی پر مشتمل ہو۔ خفیہ علم پر نقد کے سلسلے میں ان کی رائے ہے کہ یہ جو زبان زد ہے کہ علم تصوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خفیہ تعلیم فرمایا گیا تھا، پھر ان سے آج تک اسی طرح چلا آتا ہے اس دعویٰ کا مہمل اور لغو ہونا اس حدیث میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ظاہر ہے علاوہ کذب ہونے کے اس دعویٰ کرنے والوں کی غرض اصلی اس سے یہ ہے کہ شریعت کے خلاف بھی بعض امور صحیح ہیں جو خفیہ تعلیم کیے گئے ہیں۔ اس عقیدہ کا بطلان بلکہ قریب بکفر ہونا یقینی ہے اور حدیث صد و ہشتاد و ہشتم میں جو سرگوشی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کسی امر انتظامی کے متعلق تھی نہ کہ علم تصوف کے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ [36]

ابو الکلام محی الدین احمد آزادؒ

مولانا ابو الکلام آزاد کا اصل نام محی الدین احمد تھا۔ ان کے والد بزرگوار محمد خیر الدین انہیں فیروز بخت کہہ کر پکارتے تھے۔ موصوف 11 نومبر 1888ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا تعلق مدینہ سے تھا۔ سلسلہ نسب شیخ جمال الدین افغانی سے ملتا ہے جو اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ موصوف آزاد ہند کے پہلے وزیر تعلیم تھے۔ متعدد کتب کے مصنف اور ترجمان القرآن کے نام سے تفسیر لکھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والدہ سے حاصل کی۔ پھر جامعہ الازہر مصر چلے گئے اور چودہ سال کی عمر میں علوم مشرقی کا نصاب مکمل کر لیا اور پندرہ سال کی عمر میں لسان الصدق جاری کیا۔ آپ کے علمی و تحقیقی کاموں میں نمایاں

کام تفسیر ترجمان القرآن ہے۔ آپ کی وفات 2 فروری 1958ء کو دہلی بھارت میں ہوئی۔ ابو الکلام آزاد "ترجمان القرآن" میں رہبانیت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہبانیت کا رد اور اصل عظیم کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسائش اور زینتیں خدا پرستی کے خلاف ہیں۔ بلکہ ان کو کام میں لانا عین منشاء ایزدی کی تعمیل ہے۔ اولاد آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو۔ پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے حقیقت اس کے عین برعکس ہے۔[37]

تصور وسیلہ و شفاعت پر نقد کرتے ہوئے "ترجمان القرآن" میں لکھتے ہیں:

آخرت کی نجات کا تمام دار و مدار ایمان و عمل پر ہے۔ وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے نہ کسی کی دوستی آشنائی کام دے سکتی ہے نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جا سکتا ہے۔[38]

ترک دنیا پر نقد کرتے ہوئے "ترجمان القرآن" میں رقم طراز ہیں:

ایک بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کو تقرب الہیٰ کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے رہبانیت کا طریقہ نکالا اور اس میں یہاں تک بڑھے کہ دنیا کی تمام جائز لذتیں اور راحتیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔[39]

مدعیان تصوف کے عقیدہ توحید پر نقد کرتے ہیں۔ ان کے مطابق لوگ زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت کا اعتراف کرتے ہیں مگر اکیلے خدا کی حمد و ثنا پر خوش نہیں ہوتے جب تک کہ دوسرے پیروں، فقیروں اور دیوتاؤں کی کرامت کا ذکر کر نہ کیا جائے۔ آج کل بھی خالص توحید کا وعظ کہنے والوں کو منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔[40]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ اقبال کے آباؤ اجداد قبول اسلام کے بعد اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے اور محلہ کھتیاں میں آباد ہوئے۔ اقبال نے اپنی تعلیم کا آغاز مولانا غلام حسن سے کیا۔ پھر شہر کے ایک نامور عالم دین سید میر حسن کی رفاقت حاصل ہوئی۔ یہاں انہوں نے اردو، فارسی اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر سید میر حسن کے زیر سایہ ڈاکٹر محمد اقبال اسکاچ مشن سکول میں داخل ہوئے۔ اسلامی علوم کے ساتھ ادبیات، معقولات، لسانیات اور ریاضیات میں بھی مہارت تامہ حاصل کی۔ اسی سکول سے انٹر میڈیٹ پاس کیا۔ پھر بی اے اور ایم اے فلسفہ گورنمٹ کالج لاہور سے کیا۔ انگلستان لنکنز کالج سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں میونخ یونیورسٹی جرمنی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ 21 اپریل 1938ء کو خالق حقیقی سے جا ملے اور لاہور میں بادشاہی مسجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ڈاکٹر محمد اقبال تصوف کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصے کو اسلامی تصوف اور دوسرے حصے کو عجمی تصوف سے موسوم کرتے ہیں۔ عجمی تصوف پر نقد کرتے ہوئے حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے نام خط لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

پیرزادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مطلب مطلق نہیں سمجھا۔ تصوف سے اگر اخلاق فی العلم مراد ہے (اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی

کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات سے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے میں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ مسالہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا۔[41]

مسئلہ فنا کی صوفیانہ تشریح کے اثرات پر ڈاکٹر محمد اقبال نے نقد کیا ہے۔ یہ تشریح انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے۔ انسان تعلیم بے زار اور مقصد انسانیت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ مسئلہ مذکورہ پر نقد کرتے ہوئے خودی کے مسائل کے عنوان سے لکھتے ہیں:

غلام قوم مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو وہ ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوت نفس اور روح انسانی کا ترفع ہو۔ بہر حال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ پرائیویٹ امیال وعواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیاء اسلام نے فنا کہا ہے بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے لیکن ہندی اور ایرانی اکثر صوفیاء نے مسئلہ فنا کی تفسیر فلسفہ ویدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے میرے عقیدہ کی رو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں میری تمام تر تحریریں اسی تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہے۔[42]

علمی تصوف کے اثرات پر نقد کرتے ہوئے مولوی سراج الدین کو لکھتے ہیں:

مسلمان مردہ ہیں، انحطاط ملی نے ان کے تمام قویٰ شل کر دیے ہیں۔ انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ وہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے مذمت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔[43]

بعض مدعیان تصوف جنہوں نے باطنی معانی کے ذریعے تصوف کو عجمی بنانے اور شریعت کو مسخ کرنے میں کردار ادا کیا۔ ان پر نقد کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال مولوی سراج الدین کے نام خط لکھا جس میں واضح کیا کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل وشعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی معانی پیدا کرنا۔ اصل میں اس دستور کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت قبیح طریق تنسیخ ہے اور یہ طریق وہی قومیں ایجاد یا اختیار کرتی ہیں جن کی فطرت گوسفندی ہو۔ تاہم وقت پا کر ایران کا آبائی اور طبی مزاج اچھی طرح سے ظاہر ہوا۔[44] ڈاکٹر محمد اقبال کے زمانے میں علماء کو شکست ہوئی اور صوفیاء کو غلبہ حاصل ہوا۔ موصوف اس پر نقد کرتے ہوئے "لسان العصر" کے نام خط میں لکھتے ہیں:

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیاء میں طاقت کے لیے جنگ ہو رہی تھی جس میں آخر کار صوفیاء غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں جب تک کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہر دل عزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے مجدد الف ثانیؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی۔ مگر صوفیاء کی کثرت اور صدیوں کی جمع قوت نے اس گروہ کو کامیاب نہ ہونے دیا۔[45]

ڈاکٹر محمد اقبال کے خیال میں صوفیاء کے ہاں علم ظاہر وباطن کا تصور پایا جاتا ہے اور یہ باطنی علم شریعت سے مختلف ہے، موصوف اس باطنی علم تصور پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعار حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا

کرنے کا نام ہے اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے لیکن اہل نظر کو معلوم ہے کہ صوفیاء میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو شریعت اسلامیہ کو علم ظاہر کے حقارت آمیز خطاب سے یاد کرتا ہے اور تصوف سے وہ باطنی دستورالعمل مراد لیتا ہے جس کی پابندی سے سالک کو فوق الادراک حقائق کا عرفان یا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔[46]

شیخ عطاء اللہ "اقبال نامہ" میں اقبال کے مکاتیب کے حوالے سے عجمی تصوف کے لٹریچر پر اثرات کے حوالے سے واضح کرتے ہیں کہ عجمی تصوف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے۔ مگر انسان کے طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اسلامی تصوف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔ میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالک اسلامیہ میں قابل اصلاح ہے یہ سیہ لٹریچر کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ قوم کی زندگی کے لیے اس کا اور اس کے لٹریچر کا رجائیہ ہونا ضروری ہے۔[47]

مولانا احمد سعید دہلویؒ

مولانا سعید احمد دہلویؒ 5 دسمبر 1888ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منصب امامت پر فائز اور دادا صوفی بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید مصطفیٰ آبادی سے حاصل کی۔ خوش بیان تقریر کے باعث سحبان الہند کے لقب سے ملقب ہوئے۔ جمعیت علمائے ہند کے تاسیسی ارکان میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ جمعیت علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اس سیاسی جماعت کی بدولت کئی مرتبہ جیل گئے۔ موصوف نے بیس سے زائد علمی و تحقیقی کتب تصنیف کیں۔ ان میں آپ کے مکاتیب اور تقریر سیرت قابل ذکر ہے۔ یوں ان کتب میں تفسیر کشف الرحمن بھی شامل ہے۔ جیل کے ایام میں اشعار کا نزول ہوا تو جیل کی مناسبت سے اسیر تخلص رکھا۔ 4 دسمبر 1959ء کو بعد نماز مغرب وفات ہوئی۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ مزارات پر نذر و نیاز پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام شریک کیا جائے، دوسری شکل یہ ہے کہ جانور کو تقرب کی نسبت سے کسی غیر اللہ کے نامزد کر دیا جائے۔ جیسے شیخ سدو کے نام کا مرغا یا بکرا۔ پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور دوسری صورت کہ تقرب کی نسبت سے غیر اللہ کے نامزد کیا جائے۔ خواہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہا جائے۔ یہ صورت علمائے محققین کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے اور اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے اور یہی اپنے اکابر کا مسلک ہے البتہ اس زمانہ کے بعض مبتدعین نے علماء محققین سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔[48]

سماع موتیٰ پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ مردے ہیں بے جان، زندہ نہیں ہیں اور ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور مردے کب اٹھائے جائیں گے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں شاید یہ ان کو فرمایا جو مرے ہوئے بزرگوں کو پوجتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ جن کا علم محیط اور جو خود مخلوق اور وہ خالق کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں اور عبادت میں خدا تعالیٰ کے شریک کیوں کر ہو سکتے ہیں۔[49] اسی طرح صوفیاء کے تصورِ استعانت پر بھی نقد کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ عبادت کا صرف اللہ ہی مستحق ہے جس طرح کسی کی عبادت حرام ہے اسی طرح کسی دوسرے سے استعانت بھی ناجائز ہے کیوں کہ مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے جس کی قوت اور طاقت غالب ہو۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی صاحب قوت و طاقت نہیں ہے۔ اس لیے کسی دوسرے سے مدد طلب نہیں کرنی چاہیے اور نہ کسی کو مدد کی غرض سے پکارنا چاہیے۔[50]

حاصل بحث

برصغیر میں ناقدین تصوف کی روایت کے مطالعہ سے عیاں ہوا کہ ناقدین تصوف فکری اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ قسم اول ان محققین کی ہے جو نظریات اور رسوماتِ تصوف دونوں عناصر پر نقد کرتے ہیں۔ ان ناقدین میں سید نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، سید احمد حسن دہلوی، مولانا ثناء اللہ امر تسری اور ابوالکلام محی الدین احمد آزاد شامل ہیں۔ دوسرا گروہ جو صوفیاء کے نظریات کی بجائے صرف رسومات صوفیاء پر نقد کرتا ہے۔ اس گروہ میں عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور ڈاکٹر محمد اقبال شامل ہیں۔ جو گروہ نظریات ورسومات تصوف پر نقد کرتا ہے وہ فکری اعتبار سے تصوف کو متوازی دین سمجھتے ہیں اور جو گروہ صرف رسومات تصوف پر نقد کرتا ہے وہ اصلِ تصوف کا قائل ہے۔ یہ گروہ تصوف کو بدعات اور خرافات سے مکدر ہونے سے محفوظ کرنے کے لیے تزکیہ تصوف کے باعث نقد کرتا ہے۔ ان کا مقصود مدعا عیان تصوف کو تصوف کی نسبت سے روکنا ہے اور صوفیاء میں غیر شرعی رسومات کے اندراج کے باب کا بند کرنا ہے تا کہ تصوف اپنی اصل پر قائم رہے۔

حوالہ جات وحواشی

1 عبد الحق محدث دہلوی، مولانا، **روضات**، مترجم: مولوی ثناء اللہ ندوی، (کراچی: ادارہ تحقیق وتصنیف، 1964ء)، ص72۔

2 ایضاً، ص77۔

3 ایضاً، ص78۔

4 ایضاً، ص92-93۔

5 ایضاً، ص110-111۔

6 شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد، **بلاغ المبین**، (دہلی: جید برقی پریس، 1937ء)، ص13۔

7 ایضاً، ص16۔

8 ایضاً، ص22۔

9 ایضاً، ص36۔

10 ایضاً، ص44۔

11 محمد اسحاق بھٹی، مولانا، **فقہائے ہند**، (لاہور: دار النوادر، 2013ء)، 3/121۔

12 پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، **تفسیر مظہری**، (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، 1980ء)، 5/522۔

13 ایضاً، 2/260۔

14 ایضاً، 7/243۔

15 ایضاً، 7/410۔

16 ثناء اللہ امر تسری، مولانا، **تفسیر ثنائی**، (لاہور: مکتبہ اصحاب الحدیث، 2007ء)، 1/80۔

17 ایضاً، 1/111۔

18 ایضاً، ص451۔

19 محمد نذیر حسین، سید، **فتاویٰ نذیریہ**، (دہلی: مکتبہ ثنائیہ، 1988ء)، 1/240۔

20 ایضاً، 1/283۔

21 ایضاً، 1/29۔

22 ایضاً، 1/53۔

23 ایضاً، 1/119۔

24 نواب صدیق حسن، مولانا، **ترجمان القرآن بلطائف البیان**، (لاہور: مکتبہ اصحاب الحدیث، 2003ء)، 1/39۔

25 ایضاً، 1/104۔

26 ایضاً، 1/253۔

27 ایضاً، 1/301۔

28 ایضاً، 1/593۔

29 ایضاً

30 ایضاً، ص427۔

31 سید احمد حسن، **احسن التفاسیر**، (لاہور: المکتبۃ السلفیۃ، 1980ء)، 2/24۔

32 ایضاً، 3/46۔

33 ایضاً، 3/45۔

34 اشرف علی تھانوی، مولانا، **التکشف عن مہمات التصوف**، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005ء)، ص442۔

35 ایضاً، ص543۔

36 ایضاً، ص504۔

37 ابوالکلام آزاد، احمد، **ترجمان القرآن**، (لاہور: اسلامی اکادمی، سن ندارد)، 2/7۔

38 ایضاً، 1/334۔

39 ایضاً، 1/471۔

40 ایضاً، 2/295۔

41 عطاء اللہ شیخ، **اقبال نامہ**، (لاہور: اقبال اکادمی، 1951ء)، ص30۔

42 ایضاً، ص31۔

43 ایضاً، ص28۔

44 ایضاً۔

45 ایضاً، ص25۔

46 زیب، النساء، **انوار اقبال**، (لاہور: اقبال اکادمی، 1998ء)، ص62۔

47 عطاء اللہ شیخ، **اقبال نامہ**، ص27۔

48 دہلوی، احمد سعید، **کشف الرحمن**، (کراچی: مکتبہ رشیدیہ، سن ندارد)، 1/170۔

49 ایضاً، 1/428۔

50 ایضاً، 1/33۔